اے اللہ! اے ربِّ نیاگرا!

کینیڈا میں کچھ عرصہ عارضی قیام کے دوران مجھے نیاگرا آبشار دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ چنانچہ رختِ سفر باندھ کر ہم عازمِ سفر ہوئے جائے قیام سے ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد ہماری منزل آ گئی۔ کار کو پارکنگ کے علاقہ میں کھڑا کر دیا گیا اور ہم شاداں وفرحاں شوقِ دید کی تمنا لئے ہوئے سوئے آبشار چلے۔

چلتے چلتے میں نے اوپر نگاہ دوڑائی۔ تاحدِ نظر بے حد وسیع و عریض، بے کنار، بیکراں، لامحدود، ساکن وجامد نیلا آسمان نظر آ رہا تھا۔ آسمان کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ بادلوں میں کہیں روئی کے گالوں کا سا سفید رنگ جھلک رہا تھا، تو کہیں سرمئی شام کا سا رنگ اور کہیں پگھلے ہوئے تانبے کی خوبصورت رنگت نے سماں باندھ رکھا تھا۔ رنگوں کے اس ملاپ نے آسمانی دنیا کو بے حد پرکشش اور حسین بنا رکھا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا نیلا آسمان ایک سمندر ہے اور اس میں مختلف اشکال اور جسامت کی رنگ برنگی کشتیاں تیر رہی ہیں۔ ان کشتیوں کی منزل مختلف تھی اور کوئی نظر نہ آنے والا ہاتھ ان کو سوئے منزل رواں دواں رکھے ہوئے تھا۔ میں جانتی تھی کہ اپنی اپنی منزل پر پہنچ کر یہ کشتیاں پانی کے قطروں میں ڈھل کر زمین کے گلے سے آن ملیں گی۔

میں نے آسمان سے نظر ہٹا کر نیچے دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گئی

دور دور تک پانی ہی پانی دکھائی دے رہا تھا۔ سطح زمین سے پانی کے ریلے تیز رفتاری کے ساتھ نشیب کی طرف لپک رہے تھے۔ نشیب پر پہنچتے ہی ان کی رفتار میں انتہا کی تیزی اور تندی آ جاتی تھی اور وہ پوری قوت کے ساتھ پستی میں جا گرتے۔ لیکن بلندی سے پستی کا یہ سفر بھی بلا کا خوبصورت تھا۔ زمین کی سطح سے ٹکراتے ہی سفید جھاگ ادھر اُدھر بکھر جاتی اور پانی کے کچھ ننھے ننھے شرارتی قطرے زمین سے ٹکرا کر ہوا میں اچھل جاتے جس سے ہوا میں سفید رنگ کی نازک اور نفیس سی چادر بن جاتی۔ ایسی دیوار جس کے آر پار آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے، اس چادر کے پار آبشار اپنی پوری قوت کے ساتھ رواں دواں نظر آتی تھی۔ آبشار کے پانی میں جا بجا سبز رنگ جھلک رہا تھا۔ کہیں اس رنگ میں بے انتہا شوخی نظر آتی، کہیں یہ مدھم پڑ جاتا تو کہیں معدوم ہو جاتا تھا اور اس کی جگہ سفید جھاگ سر اٹھا کر محوِ رقص ہو جاتی۔ یہ پانی کے نیچے اگی ہوئی سبز گھاس اور پودوں کا رنگ تھا، جو پانی میں سے جھانک رہا تھا اور جس نے آبشار کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ آبشار کی تہہ میں یہی سبز رنگ پانی میں ایسے گھل مل گیا تھا کہ یوں محسوس ہوتا تھا گویا کسی ان دیکھے ہاتھوں نے زمرد کا فرش بچھا دیا ہو۔ اس فرش پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دلکش نسواری اور سلیٹی رنگ کے قدرے بڑے چٹان نما پتھر پڑے تھے۔ جب پانی ان پتھروں سے ٹکراتا تو ان کے اردگرد کبھی سفید جھاگ کے ہالے بن جاتے تو کبھی ٹوٹ جاتے۔

فضا میں بے شمار مرغابیاں اور سی گل (sea gull) محوِ پرواز تھے۔ گاہے گاہے وہ نیچے اتر کر پانی کے قریب آ کر اپنی چونچ اس میں ڈبوتے اور مچھلی پکڑ کر بلندی کی طرف اڑ جاتے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہی ان دیکھے ہاتھ پرندوں کی خوراک تک رسائی کے لئے ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔

پانی کی گزرگاہ کے راستے میں آنے والے خس وخاشاک اس کی قوت کے سامنے بے بس تھے اور پتھر کی مضبوط چٹانیں بھی کڑی مزاحمت کے باوجود اس کے بہاؤ کو روکنے سے لاچار تھیں۔ پانی کے

ریلوں کا باہم مل کر جھاگ اڑاتے ہوئے تیز رفتاری کے ساتھ ایک ہی سمت کی جانب مدام چلنا اسی ان دیکھے ہاتھ کے جاہ وجلال کو ظاہر کر رہا تھا۔ پانی کی سطح کے ساتھ ساتھ مختلف پرندوں کی اڑان اور پانی میں سبزے کے شوخ رنگ کی آمیزش سے اسی ہاتھ کا جمال ہویدا تھا۔ میں اس منظر کو دیکھ دیکھ کر حیران وسرگرداں تھی کہ اس کے حُسن خیال اور کمال فن کی داد کیسے دے پاؤں گی کہ ایسے بے پایاں حسن کو بیان کرنے کے لئے تنگئ داماں اور کم مائیگی کا احساس شدید تر ہو گیا تھا۔

آبشار کے اردگرد پتھر اور لوہے کی مدد سے تقریباً چار فٹ بلند ایک حفاظتی دیوار بنائی گئی ہے۔ ہم سب اس دیوار کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر محو نظارہ تھے۔ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر مسلسل ٹکٹکی باندھ کر بہتے ہوئے پانی کو دیکھتی چلی جا رہی تھی اور میرے ذہن میں مختلف سوال کلبلا رہے تھے۔ میں سوچ رہی تھی کہ

نہ جانے اس پانی کے سوتے کہاں سے پھوٹ رہے ہیں؟

نہ جانے یہ پانی اپنی دھن میں مگن کتنے طویل فاصلے سے اپنے سفر کی ابتدا کر کے کب سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے؟

اس پانی کو اس کی منزل کا سراغ کیسے ملا؟

اس نے اپنی سمت کا تعین کیسے کیا؟

چاروں طرف سے بہہ کر آنے والا پانی کیونکر ایک ہی رخ کی جانب محو سفر ہے؟

پانی کے کچھ ریلے اپنی مرضی سے مخالف سمت کا رخ اختیار کیوں نہیں کر لیتے؟

اس پانی کو کس نے مخصوص اصول وضوابط اور حدود وقیود کا پابند بنا رکھا ہے؟

پانی کو دیکھتے دیکھتے اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں کے نیچے کی زمین میرے وجود کو لئے ہوئے آہستہ آہستہ سرک رہی ہے میں نے گھبرا کر دیوار کو تھام لیا اور اپنے آس پاس کھڑے ہوئے ہجوم کی طرف یہ سوچ کر نظر دوڑائی کہ شاید وہ بھی میری طرح اس حرکت کو محسوس کر کے گھبرا اٹھے ہوں گے لیکن وہاں ہر چہرہ پرسکون تھا اور آبشار کے ملکوتی حسن کو دیکھنے میں محو تھا۔ تب مجھے خیال آیا کہ بسا اوقات چلتے ہوئے پانی کو مسلسل دیکھتے رہنے سے بھی اس حرکت کا احساس ہو جاتا ہے لیکن بہتے ہوئے پانی کے سنگ خود بھی حرکت میں آ جانے کا احساس بہت لطف اندوز تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا میں بحری جہاز کے عرشے پر کھڑی تھی اور وہ مجھے لے کر خراماں خراماں پانی میں چل رہا تھا۔

فضا میں ڈھیروں مرغابیاں قطار اندر قطار محو پرواز تھیں۔ کبھی وہ ناک کی سیدھ میں چلتی چلی جاتیں تو کبھی اپنا رخ بدل کر دوسری سمت اختیار کر لیتیں۔ لیکن رخ پھیرنے کی اس تبدیلی کے باوجود ان کی قطاریں ٹوٹنے نہیں پاتی تھیں۔ اس ہم آہنگی کی وجہ سے ان کی پرواز بے حد دلکش اور متاثر کن تھی۔ ان کو دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ کیا ان مرغابیوں کا بھی کوئی مکتب تھا؟

کیا ان کا بھی کوئی معلم تھا؟

ان کو کس نے جغرافیے کا علم دیا؟

ان کو کس نے ہوا میں نظر نہ آنے والے نقشے اور زاویے دکھا دیئے؟

ان کو کس نے پرواز کے یہ انداز وآداب سکھائے؟

میرے دل نے مسکرا کر جواب دیا۔

''پگلی! اسی نظر نہ آنے والے ہاتھ نے''۔

وہاں کھڑے کھڑے ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا۔ فضا میں خنکی پھیل گئی۔ رم جھم جھم پھوار پڑنے لگی۔ پھر دیکھتے دیکھتے دھند چھانے لگی۔ دھند کی دودھیا چلمن نے آبشار کے منظر کو قدرے بدل دیا لیکن یہ تبدیلی مشتاقانِ دیدار کو اور بھی بھلی لگنے لگی۔ یہ نظارہ بھی خوب تھا کہ

؎ صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

دھند گہری ہوتی چلی گئی اور آہستہ آہستہ ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی۔ میرے لئے یہ منظر طلسم کدہ سے کم نہ تھا۔ اسے دیکھتے دیکھتے معاً مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں خود بھی اس منظر کا ایک حصہ بن رہی ہوں۔ جیسے میرے دل کی دھڑکن مدھم ہو رہی ہے۔ جیسے

دھند نے مجھے بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔ جیسے میرا وجود بھی دھیرے دھیرے دھند میں تحلیل ہو رہا ہے۔ جیسے مجھ پر جمود طاری ہو رہا ہے۔ جیسے مجھ پر سحر چھا رہا ہے نہ جانے اس عالم میں کتنے عالم بیت گئے کہ اچانک تیز ہوا کے تھپیڑے میرے وجود سے ٹکرا کر میرے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

''خبردار! با ملاحظہ! ہوشیار! اپنے قدم مضبوطی سے زمین پر جمائے رکھو۔ پھر نہ کہنا کہ ہم نے تمہیں اکھاڑ دیا۔ کیونکہ ہماری سرشت ہے کہ ہم ہر کمزور، بے خبر اور مدہوش وجود کو اس کی ضعیفی کی پاداش میں اٹھا کر دور دراز پھینک دیتے ہیں اور ہم اپنی اس سرشت کے سامنے بے بس ہیں''۔

اس سرگوشی کو سن کر محویت کا سحر ٹوٹ گیا۔ میرے وجود کے اندر ننھے ننھے جگنو چمکنے لگے اور اس روشنی کے در آتے ہی میں دھند کے طلسم سے باہر نکل آئی۔

بارش کی پھوار قدرے تیز ہو گئی تھی۔ اب ہوا کے ساتھ ساتھ بارش کے یخ بستہ قطرے میرے منہ پر برس رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود میں نیلے آسمان تلے اس منظر کو چھوڑنا نہیں چاہ رہی تھی۔ جب بارش تیز تر ہو گئی تو چار و ناچار مجھے اپنی جگہ چھوڑنی پڑی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میری نظر سڑک کے ساتھ ساتھ کوتاہ قامت کے بے شمار گہرے سرخ اور کاسنی رنگ کے پھولوں کے جھنڈ پر پڑی۔ پھولوں کی ساخت چھتریوں سے ملتی جلتی تھی اور وہ خوبصورت چمکدار مخمل کی مانند چمک رہے تھے۔ انہوں نے ٹہنیوں اور پتوں کو پوری طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زمین کا سینہ چیر کر حسنِ فطرت کا منظر دیکھنے کے لئے باہر نکل آئے ہوں اور پھر خود اسی کا حصہ بن کر رہ گئے ہوں۔ پھولوں کے آس پاس لاتعداد سرو قد مپیل کے درخت ایستادہ تھے۔ موسم کی تبدیلی کے ساتھ ہی ان درختوں نے اپنے ملبوس بھی تبدیل کر لئے تھے۔ ان کے تمام تر سبز پتوں کا رنگ نارنجی، آتشی گلابی، سرخ اور عنابی رنگ میں ڈھل گیا تھا۔ میں نے سوچا نہ جانے ان درختوں کو کس نے موسم کی تبدیلی کی نوید دے کر پیراہن تبدیل کرنے کا حکم دیا تھا؟

میرے دل نے چپکے سے جواب دیا

پگلی! اسی ان دیکھے ہاتھ نے۔

مجھے ان درختوں، پھولوں، نیلے آسمان، آبشار، بادلوں، دھند، ٹھنڈی ہواؤں اور بارش کو دیکھ دیکھ کر اپنی بے بسی کا شدید احساس ہوا۔ میں نے سر اٹھا کر اپنا رخ آسمان کی طرف کر کے اسی ان دیکھے ہاتھ سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''اے خالقِ کائنات! مجھے بتا، اب میں کیا کروں؟ اس قدر حسن اور خوبصورتی کو سمیٹنے کے لئے تو نے مجھے صرف دو آنکھیں، ایک ننھا سا دل اور مختصر سی مہلت عطا کی ہے۔ اسے جذب کرنے کے لئے اگر میرا پورا وجود آنکھوں میں ڈھل جائے، میرا رواں رواں دھڑکنے لگے اور مجھے عمر دوام مل جائے تو بھی کم ہے۔ اگر تیرے جاہ و جلال اور حسن و جمال کی ایسی ہی فراوانی تھی تو اسے سمیٹنے کے لئے میرا دامن بھی وسیع کر دیا ہوتا''۔

اسی دوران ایک یخ بستہ تیز ہوا کا جھونکا آ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ میں نے اس کی شدت اور قوت کو محسوس کرتے ہوئے اس سے کہا کہ

''اگرچہ اپنی چاہت کے باوجود میں تمہاری چال اور سبک خرامی کو کبھی اپنا نہیں سکتی لیکن تم بھی تو میری طرح زمین پر قدم جما کر چل نہیں سکتی''۔

پھر میری نظر ہوا کے دوش پر اڑتے ہوئے پرندوں پر پڑی اور میں نے انہیں پکارتے ہوئے کہا کہ

''خواہش کے باوجود میں فضا میں اڑ نہیں سکتی اور تم پرواز کو ترک کرنے پر قادر نہیں''۔

پھر میں اپنے آس پاس پھیلے ہوئے خوبصورت پھولوں اور سرسبز پودوں سے مخاطب ہو گئی۔

''اگرچہ میں سرِ راہ تمہارے رنگ و روپ میں ڈھل کر آنے جانے والے لوگوں کی نگاہ کا مرکز نہیں بن سکتی لیکن تم بھی تو زمین سے اپنا دامن چھڑا کر آزادانہ سیر و سیاحت کرنے سے قاصر ہو''

یکا یک بارش کے موٹے موٹے قطرے ٹپ ٹپ کر کے میرے چہرے پر گرنے لگے میں نے دل ہی دل میں بارش سے کہا کہ

''میں تمہاری طرح آسمان سے برس کر زمین کے سینے میں ٹھنڈک کا باعث نہیں بن سکتی لیکن تم بھی انسانوں کے سینوں میں بسیرا نہیں کر سکتی''۔

اب میں نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ

''اگر چہ ہم سب کا تعلق اسی کرۂ ارض سے ہے لیکن ہم سب شکل وصورت رنگ ونسل، قد و قامت، ہیئت وحالت، ساخت و پرداخت اور عادات وخصائل کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اتنے اختلافات کے باوجود ہم سب ایک ہی سلسلے میں بندھے ہوئے ہیں، ہم ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں، ہم ایک ہی فرمانروا کے محکوم ہیں، ہم نے ایک ہی لفظ ''کن'' کے بطن سے جنم لیا ہے، ہم سب کی حیات وممات ایک ہی ہستی کے اختیار میں ہے اور ہم ایک ہی دستِ قدرت کی صناعی کا شاہکار ہیں۔ وہ ذات جو ہم سب کی خالق بھی ہے اور کفیل بھی، وکیل بھی ہے اور حفیظ بھی۔ گویا ہم سب ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود ایک ہی شہنشاہ کی رعایا ہیں۔ وہ شہنشاہ جو اول بھی ہے اور آخر بھی، جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی''۔

یہ خیال آتے ہی میں بے اختیار پکار اُٹھی

''اے اللہ! اے رب کریم......اے اللہ! اے ربُ العزت
اے اللہ! اے رب کائنات......اے اللہ! اے ربِ نیا گرا
میں نے تجھے تیرے مظاہر میں پا لیا۔''